اثر ابن عباس پر ایک

محدثانہ نظر

(سند اور متن کے لحاظ سے ضعیف)

مولانا منظر الاسلام ازہری

مولانا منظر الاسلام ازہری ☆

"اثر ابن عباس" پر محدثانہ نظر

تیرھویں صدی ہجری کا نصف اخیر اور چودھویں صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ سیاسی کشمکش کے ساتھ ساتھ مذہبی انتشار کا بھی زمانہ رہا ہے- سیاست کے ساتھ ساتھ مذہب کو بھی بازیچہ اطفال بنانے کی کوشش کی گئی- حدیث شریف کے مطابق اہل حق کی جماعت نے مذہب کے خلاف اٹھنے والی آوازوں اور دین کے خلاف چلنے والے قلموں کو مردہ کر رکھ دیا- گروہی فتنہ پھیلانے کی کوشش کی گئی مگر اسے کچلنے کے ساز و سامان بھی کیے گئے- اسی زمانہ کی بات ہے کہ دیوبند کے ایک معروف عالم دین جناب قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس من اثر ابن عباس" کتاب لکھی- اس کتاب میں اثر ابن عباس کی اسنادی حیثیت کا اعتبار کرکے عقلی دلائل کی روشنی میں زمین کے دیگر طبقات میں انبیاء کرام کے وجود کو نہ یہ کہ تسلیم کیا گیا بلکہ نبی اکرم ﷺ کے خاتم نبوت ہونے کا انکار بھی اس سے متبادر ہے- علماء کرام کی ایک جماعت نے اسی زمانہ میں کتاب کا وافی وشافی رد بھی کیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے- نانوتوی صاحب نے اثر ابن عباس کی حدیثی حیثیت پر بحث کیے بغیر اس کی صحت کو ماننے اور منوانے کے لئے عقلی دلائل دیئے تھے اس لئے جن علماء نے رد کیا انہوں نے بھی منطقی دلائل و براہین سے رد بلیغ کیا- پھر منطقی دلائل کی تائید میں قرآن کریم صحیح احادیث، آثار صحابہ ، اقوال علماء سے بھی استناد کیا- میری معلومات کی حد تک کسی نے اس "اثر" کی سند اور متن سے متعلق کوئی خاص گفتگو نہیں کی- کسی نے مختصر اور بالاجمال گفتگو کی بھی تو صرف اس حد تک کہ اس کی صحت کو تسلیم کیا اور آگے بڑھ گئے- علم حدیث کا ادنی طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہر وقت میری نگاہ میں یہ بات رہتی تھی کہ "اثر ابن عباس" کو محدثین کے وضع کردہ میزان پر ضرور پرکھنا چاہیے- اللہ تعالی کے فضل وکرم اور نبی اکرم ﷺ کی عنایت سے مجھ پر اس حدیث کا ضعف محدثین کے اصول کی روشنی میں واضح ہوگیا- پھر یہ سوچ کر کہ جب بنیاد ہی ختم ہو جائے تو پھر عمارت کی تعمیر کیسے کی جائے گی، میں نے اس پر سیر حاصل محدثانہ بحث شروع کردی- میں اپنی بحث کے ایک حصہ کا خلاصہ قارئین کی نظر کرتا ہوں- واضح رہے کہ میری بحث منطقی دلائل سے بالکل پاک رہے گی کیونکہ علامہ فضل حق خیر آبادی سے لے کر اب تک اس پر اتنی منطقی بحث کی گئی ہے، جس میں اب لب کشائی کی کوئی گنجائش نہیں- پہلے حدیث کا متن مع ترجمہ ملاحظہ کیجئے:

امام حاکم فرماتے ہیں:

أخبرنا أحمد بن يعقوب الثقفي، حدثنا عبيد بن غنام النخعي، أنبأنا علي بن حكيم، حدثنا شريك عن عطاء بن السائب، عن أبي الضحى، عن ابن عباس (رضي الله تعالى عنهم) أنه قال: الله الذي خلق سبع سماوات ومن في الأرض مثلهن قال: سبع أرضين. في كل أرض نبي كنبيكم، وآدم كآدم، ونوح كنوح، وابراهيم كابراهيم، وعيسى كعيسى. (۱)

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے سات آسمان پیدا فرمایا جو زمین میں انہیں کے مثل ہیں- فرمایا: سات زمین کی تخلیق کی- ہر زمین میں تمہارے نبی کی طرح نبی ہیں- آدم کی طرح آدم ہیں، نوح کی طرح نوح ہیں، ابراہیم کی طرح ابراہیم ہیں، اور عیسی کی طرح عیسی ہیں-

امام حاکم کے علاوہ امام طبری، امام ابن کثیر، امام قرطبی، امام اسماعیل حقی، امام سیوطی، امام بیہقی، امام سخاوی، امام ابن حجر عسقلانی، امام قسطلانی، امام عجلونی، (۲) وغیرہ نے بھی اپنی اپنی تفسیر، حدیث، تاریخ، سیرت، اور فتاوی میں "اثر ابن عباس" کی تخریج کی ہے- کسی نے روایت کا مفصل متن ذکر کیا ہے کسی نے اختصار سے کام لیا ہے تاہم سند تمام علماء کے نزدیک ایک ہی ہے- جن ائمہ نے مطلقا یا بالتقیید اس پر صحت کا حکم لگایا ہے ان میں امام حاکم، امام بیہقی اور امام ابن حجر عسقلانی کا نام نمایاں ہے- جن محدثین نے اس پر کلام کیا ان میں علامہ ابن کثیر، امام قسطلانی، امام ابن حجر ہیتمی اور امام سیوطی سرفہرست ہیں- جبکہ امام ذہبی کے اقوال مختلف ہیں- ذیل میں ہر ایک کی عبارت

بالتفصیل ملاحظہ کیجیے:

امام حاکم نے حدیث کی تخریج کے بعد فرمایا: هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه. اس حدیث کی سند صحیح ہے امام بخاری اور مسلم نے اس کی تخریج نہیں کی۔ اس کے بعد ہی امام حاکم نے اسی سند سے مختصراً اس روایت کا ذکر کر کے فرمایا: هذا حديث صحيح علي شرط الشيخين ولم يخرجاه. (۳) یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی۔

امام بیہقی نے مختصر اور مطول دونوں ہی سند ذکر کر کے فرمایا:

اسناد هذا عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهما صحيح، وهو شاذ بمرة، لا أعلم لأبى الضحى عليه متابعا، والله أعلم. (۴)

ابن عباس سے مروی سند صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرح سے شاذ بھی ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ابوضحیٰ کی کسی نے متابعت بھی کی ہے۔

علامہ ابن حجر نے زمین کے طبقات سے متعلق علماء ومحدثین کے اقوال کے ضمن میں ابن جریر کے حوالہ سے دلیل دیتے ہوئے اس اثر کا ذکر کر کے فرمایا: أخرجه مختصرا واسناده صحيح. وأخرجه الحاكم والبيهقي من طريق عطاء بن السائب عن أبى الضحى مطولا -قال البيهقي اسناده صحيح الا أنه شاذ بمرة. (۵)

اس اثر کی تخریج ابن جریر نے مختصراً کی ہے، اس کی سند صحیح ہے- حاکم اور بیہقی نے بطریق عطاء ابن سائب، ابوضحیٰ اس کی تخریج مطولاً کی- بیہقی نے کہا اس کی سند صحیح تو ہے مگر ایک طرح شاذ ہے-

بدر شبلی نے اپنے شیخ ذہبی کے حوالہ سے اس کی تحسین نقل کی ہے(۶) امام سیوطی نے "درمنثور" میں اس روایت کو نقل کر کے امام بیہقی کے کلام پر اکتفا کیا ہے مگر اپنی گرانقدر تالیف "الحاوی للفتاوی" میں حاکم اور بیہقی کا کلام نقل کرنے کے بعد لکھا:

وهذا الكلام من البيهقى فى غاية الحسن فانه لايلزم من صحة الاسناد صحة المتن كما تقرر فى علوم الحديث لاحتمال أن يصح الاسناد ويكون فى المتن شذوذ أو علة تمنع صحته واذا تبين ضعف الحديث أغنى ذلک عن تأويله لأن مثل هذا المقام لا تقبل فيه الأحاديث الضعيفة (۷)

بیہقی نے حدیث پر صحت کے ساتھ ساتھ شاذ ہونے کا جو حکم لگایا ہے وہ بہت اچھا ہے کیونکہ علوم حدیث کے مطابق سند کا صحیح ہونا متن کی صحت کو لازم نہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ سند صحیح ہو مگر متن میں شذوذ یا ایسی علت ہو جس کی بنیاد پر صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا- جب اس حدیث کا ضعف ثابت ہوگیا تو اب اس میں تاویل کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں- کیونکہ ان جیسی جگہوں میں ضعیف حدیثیں قابل قبول نہیں-

یہاں تو علامہ سیوطی نے بیہقی کے کلام کو سراہا اور حاکم سے کچھ تعرض بھی نہ کیا مگر "تدریب الراوی" میں جہاں انہوں نے حدیث شاذ پر گفتگو کیا ہے، اس کے ضمن میں حاکم کی تصحیح پر حیرانگی کا اظہار بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں: ولم أزل أتعجب من تصحيح الحاكم من تصحيح الحاكم له حتى رأيت البيهقى قال: ولكنه شاذ بمرة (۸)

حاکم کی تصحیح پر مجھے تعجب ہوتا رہا حتی کہ مجھے بیہقی کا قول مل گیا کہ یہ اثر شاذ ہے۔ ٹھیک اسی طرح علامہ قسطلانی نے بھی لکھا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں:

فيه أنه لا يلزم من صحة الاسناد صحة المتن كما هو معروف عند أهل هذا الشان، فقد يصح الاسناد ويكون فى المتن شذوذا أو علة تقدح فى صحته ومثل هذا لا يثبت بالحديث الضعيف. (۹)

محدثین کے نزدیک معروف ہے کہ سند کا صحیح ہونا متن کے صحیح ہونے کو لازم نہیں- ایسا ہو سکتا ہے کہ کبھی سند صحیح ہو اور متن میں شذوذ یا ایسی علت جس سے حدیث کی صحت مخدوش ہوتی ہو، اس طرح کے مسائل حدیث ضعیف سے ثابت بھی نہیں ہوتے-

علامہ ابن حیان اندلسی نے اپنی تفسیر میں اس کے ایک دوسرے سند کی طرف اشارہ کیا ہے اور موضوع ہونے کا حکم لگایا ہے-

وعن ابن عباس من رواية الواقدى الكذاب، قال: فى كل أرض... وهذا حديث لا شک فى وضعه. (۱۰)

ابن عباس کی روایت واقدی کذاب کے حوالہ سے ہے... اس حدیث کے موضوع ہونے میں کچھ شک نہیں-

حافظ ابن کثیر "البدایۃ" میں اس اثر کا ذکر کیا پھر فرمایا:

هذا ذكره ابن جرير مختصرا، واستقصاه البيهقي في الأسماء والصفات، وهو محمول ان صح نقله عنه على أنه أخذه ابن عباس رضي الله تعالى عنهما عن الاسرائيليات. (۱۱)

ابن جریر نے اس روایت کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ بیہقی نے الاسماء والصفات میں اس معنی کی تمام روایتوں کا استقصا کیا ہے، اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو کہا جائے گا کہ ابن عباس کا ماخذ اس سلسلہ میں اسرائیلیات ہے۔

علامہ سخاوی نے ابن کثیر کے اس کلام کو نقل کر کے فرمایا:

وذلك وأمثاله اذالم يخبر به ويصح سنده الى معصوم فهو مردود على قائله (۱۲)

یہ اور اس طرح کی دوسری روایتیں جس کی خبر نہیں دی گئی اور سند معصوم ﷺ تک صحیح ہو تو اس قائل پر رد کر دی جائیگی۔

سورہ طلاق کی تفسیر کے ضمن میں علامہ اسماعیل حقی نے بھی سخاوی کا یہ قول نقل کیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ "صاحب انسان العیون" کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں:

قد جاء عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما في قوله تعالى "ومن في الأرض مثلهن" قال سبع أرضين.. قال البيهقي اسناده صحيح ولكنه شاذ بمرة أي لأنه لا يلزم من صحة الاسناد صحة المتن، فقد يكون فيه مع صحة اسناده مايمنع صحته فهو ضعيف (۱۳)

ائمہ کلام کے اقوال کے تناظر میں ہم نے دیکھا کہ ایک جماعت اس کے صحت کی قائل ہے جبکہ دوسری جماعت اس پر ضعف، اسرائیلی بلکہ موضوع ہونے کا حکم لگاتی ہے۔ جن لوگوں نے اس کے ضعف کا قول کیا ہے ان سب کا ماخذ امام بیہقی کا قول یعنی "شاذ" ہے۔ اس لئے پہلے حدیث شاذ کو سمجھنا ضروری ہے۔ حدیث شاذ کی تعریف میں اہل اصول محدثین کی رائے مختلف نظر آتی ہے۔ امام شافعی اور اہل حجاز کی ایک جماعت نے "شاذ" کی تعریف اس طرح کیا ہے:

اگر ثقہ دوسرے رواۃ کی مخالفت کرے تو وہ شاذ ہے۔ "شاذ" کی تعریف یہ نہیں کہ وہ ایسی روایت کرے جو اس کے علاوہ کسی نے بھی روایت نہیں کی ہو۔ (۱۴)

علامہ حاکم نے حدیث شاذ کی تعریف اس طرح کی ہے:

جس حدیث میں کوئی ثقہ راوی اکیلا رہ گیا ہو اور اس کی کوئی متابعت بھی نہ ہو۔ (۱۵)

امام خلیل بن عبداللہ خلیلی (م ۴۴۶ھ) نے امام شافعی کی تعریف ذکر کرنے کے بعد اپنی ایک راجح تعریف ذکر کی ہے جو حاکم کی تعریف سے بہت قریب ہے بلکہ دونوں کی تعریف میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ (۱۶)

اہل اصول کے کلام کا خلاصہ میں نے حدیث شاذ سے متعلق ذکر کیا ہے۔ ان تمام تعریف میں سے ہر ایک پر کچھ نہ کچھ اعتراض وارد ہوتا ہے۔ امام سیوطی نے قول فیصل نقل کیا ہے، فرماتے ہیں: شاذ ایسی حدیث ہے جس کو کسی مقبول راوی نے اپنے سے برتر کے مخالف روایت کیا اگر مخالف روایت کرنے والا راوی متفرد ہے اور اس کا عادل وضابط ہونا بھی مسلم ہے تو اس کا تفرد صحیح مان لیا جائے گا۔ اور اگر اس کے عدل، حفظ، ضبط اور ثقاہت میں کمی ہوگی تو اس کی روایت رد کر دی جائے گی۔ ملخصا (۱۷)

حدیث شاذ اگر صحت کی شرط پر پوری نہ اترے تو ضعیف اور مردود ہوگی، اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

..محل طريق الجمع اذا تساوت الروايات في القوة أما مع التفرد في مقابلة الاجتماع فتكون الرواية المنفردة شاذة، والشاذ مردود. (۱۸)

اس تفصیل کی روشنی اتنا واضح ہو گیا کہ "اثر ابن عباس" سند اگر چہ صحیح ہے مگر متن کے اعتبار سے شاذ ہے، اور حدیث شاذ کی اگر متابعت نہ ہو تو اس کو رد کر دیا جائے گا۔ علامہ بیہقی نے اس کا استیعاب کرنے کے بعد ہی کہا کہ اس کی کوئی متابعت نہیں ہے۔ لہٰذا اثر ابن عباس کے مردود ہونے میں بھی کچھ شک نہیں۔

جہاں تک سند کا سوال ہے تو اس کی بھی صحت بندہ ناچیز کے نزدیک مسلم نہیں کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عطاء ابن سائب ہیں جن کے بارے میں علماء جرح وتعدیل کی رائے مختلف ہے۔ عطاء اپنی آخری عمر میں مختلط ہو گئے تھے۔ جن لوگوں نے اختلاط سے قبل ان سے روایت کی ان کی روایت مقبول ہے اور جنہوں نے بعد اختلاط روایت کیا ان کی روایت مردود ہے۔ علامہ ابن حجر نے کہا ان کے اختلاط کی

جہ سے محدثین نے ان پر ضعف کا حکم لگایا ہے۔

الحاصل ''اثر ابن عباس'' سند اور متن دونوں ہی اعتبار سے ضعیف ہے اور اگر اس کی صحت تسلیم بھی کر لی جائے تو اس کا مصدر اسرائیلیات کو ماننا پڑے گا۔لہذا اس اثر کی بنیاد پر زمین کے دیگر طبقات میں انبیا کرام کا وجود ماننا خیال فاسد ہے اور اس پر طومار بیانی تضییع اوقات۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جناب نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب کا نام ''تحذیر الناس من اثر ابن عباس'' رکھا مگر پوری کتاب میں کہیں بھی حدیث کی سند یا متن پر کوئی واضح بحث نہیں کی۔عنقریب اس موضوع پر راقم کا رسالہ ''تنبیہ الناس من انکار اثر ابن عباس'' ملاحظہ کیجئے۔۔جس میں مکمل علم حدیث کی ہی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔

مصادر و مراجع

(۱)المستدرک للحاکم ۲/ ۵۳۵، حدیث ۳۸۲۲،۳۸۲۳، دار الکتب العلمیة ،بیروت.
(۲)تفسیر ابن جریر ،سورہ طلاق، ایة نمبر ۱۲. البدایہ والنہایة ۱/ ۱۳۳، بیروت.
تفسیر قرطبی ،سورہ طلاق، آیة ۱۲، بیروت. تفسیر روح البیان، سورہ طلاق، آیة ۱۲. تفسیر در منثور: سورہ طلاق آیة ۱۲، بیروت. مقاصد الحسنة ص ۳۹، حدیث ۹۱ ،بیروت. فتح الباری ۶/ ۲۹۳، دار المعرفة ،بیروت. کشف الخفاء و مزیل الالباس ،حدیث نمبر ۳۱۲ ،بیروت. المنتظم فی تاریخ الامم ۱/ ۱۷۲ ،بیروت.
(۳)المستدرک للحاکم ۲/ ۵۳۵، حدیث ۳۸۲۲،۳۸۲۳، دار الکتب العلمیة ،بیروت.
(۴)الاسماء والصفات ۲/ ۱۳۱،۱۳۲ ،باب بدء الخلق،دار الکتاب العربی ،بیروت.
(۵)بیروت. فتح الباری ۶/ ۲۹۳، دار المعرفة ،بیروت.
(۶)آکام المرجان فی احکام الجان.
(۷)الحاوی للفتاوی ۲/ کتاب الأدب والرقائق، قطف الثمر فی موافقات عمر
(۸)تدریب الراوی. النوع الثالث عشر الشاذ، ۱/ ۲۳۳ ،بیروت
(۹)شرح البخاری للقسطلانی
(۱۰)البحر المحیط ،سورہ طلاق، زیر آیة ۱۲
(۱۱) البدایة والنہایة ۱/ ۲۱ ،فصل فیما ورد فی صفة کلق العرش والکرسی، ماجاء فی سبع أرضین.
(۱۲)المقاصد الحسنة ص ۵۰. رقم ۹۱
(۱۳)تفسیر روح البیان، سورہ طلاق، آیت ۱۲.
(۱۴) تدریب الراوی ۱/ ۲۳۲ ،النوع الثالث عشر الشاذ.
(۱۵)معرفة علوم الحدیث ۱/ ۱۱۹ ،النوع الثامن والعشرین من علوم الحدیث. .بیروت
(۱۶) الارشاد ۱/ ۱۷۶ ،مکتسبه الرشید، ریاض.
(۱۷) تدریب الراوی ۱/ ۲۳۲ ،النوع الثالث عشر الشاذ.
(۱۸)فتح ۹/ ۴۰۷ دار المعرفة ،بیروت.

□□□

بقیہ: شرعی عدالت

جب کہ امام کے لیے اس کا صحیح القرأة ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کی اس امام سے برگشتگی اس کی وجہ سے بھی اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ولو أم قوما وھم له کا رھون إن الکراھة لفساد فیه أو لانھم احق بالامامة منه کرہ له ذلک تحریما. (ج:۲:ص:۲۹۷) سوال میں مذکور تفصیلات کی روشنی میں امام کا اپنی امامت پر مصر رہنا اور مصلی کو اپنی گرفت میں رکھنا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) مسجد کا انتظام و انصرام ایسے فرد یا افراد کے ہاتھ میں ہونا لازم ہے جو مسجد کا بہی خواہ اور قیام مسجد کے شرعی مقاصد سے کما حقہ واقف ہوں۔ جو لوگ مسجد کے بنیادی مقصد سے بھی ناواقف اور ترک جماعت کی اجازت دیں۔ ایسے لوگوں کا مسجد کی انتظامیہ میں رہنا جائز نہیں۔ وہاں کے مسلمان ایسے لوگوں کو معزول کر کے بہتر انتظامیہ کمیٹی تشکیل دیں۔ درمختار میں ہے وینزع وجوبا بزازیه ولوا لواقف در رفغیرہ بالأولی لوغیر مامون واللہ تعالیٰ اعلم

(۳) دو عہدوں کا اجیر ہونا شرعی جرم نہیں ہے، شرعی جرم یہ ہے کہ دونوں عہدوں پر برقرار رہنے کی وجہ سے مذکورہ امام فرائض منصبی ادا نہ کرتا ہو۔ اگر بغیر اپنی ذمہ داریاں ادا کیے ہوئے معروف رخصت کے علاوہ اجرت لیتا ہے تو گنہ گار ہے اور اتنی اجرت کا مسجد کا واپس دینا واجب۔ آپ نے سرکاری ملازمت لکھا ہے، لفظ سرکاری لکھنے سے احتراز کیجیے اس کی جگہ گورنمنٹی استعمال کیا کیجیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

□□□